کہ ہمارا ماحول کیسا ہے یہاں خاکی وردی کے مقابل کالا کوٹ بھی ہے۔ عوام تو کالانعام ہوتے ہیں۔ کالے کوٹوں والے نظر بہ ظاہر عوامی حقوق کے نگہبان ہوتے ہیں۔ وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کیا کرتے تھے۔ عوام کے معاملات نمٹانے میں معاونت کیا کرتے تھے۔ لوگوں کے لیے رہنما یا نہ اقدام کیا کرتے تھے۔ یوں اس کالے کوٹ کی بڑی عزت تھی۔ ہم ارادت و عقیدت کے جذبات رکھتے تھے۔ یاللعجب! یہ کیسا موڑ آگیا ہے۔ حالات نے کیسا پلٹا کھایا ہے۔ کالے کوٹ کی تحقیر کیوں ہو رہی ہے۔ ایسے بے توقیر کیوں کیا جا رہا ہے۔ ایک دوست اگلے روز میری پریشانی بھانپ گیا۔ کہنے لگا۔ گھبراؤ نہیں تحمل سے بات سنو۔ جعلی ڈرائیونگ لائسنس بنوانا ہو تو کالے کوٹ والا مل جائیگا۔ بوگس شناختی کارڈ اور ڈومیسائل وہ بنوا دے گا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے جعلی پاسپورٹ دلا دے گا۔ کسی بھی ملک میں جانے کا عزم بالجزم کر لو۔ ویزہ تیار ملے گا۔ تھانیدار کے ساتھ مک مکا کرنا ہو تو اس کی معاونت ملے گی۔ قتل، اغوا، ڈاکہ چوری، جیب تراشی کے مرتکبین کی ضمانتیں کرانا ہوں تو وہ حاضر ہے۔ ظالم کو مظلوم وہ بنائیگا۔ جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ میں تبدیل کرا دے گا۔ پھر اپنے اس عظیم تجربے کی بنا پر عدلیہ میں شامل ہو کر منتخب حکومتوں کو غیر مستحکم کرنے کا کام بھی بخوبی انجام دے گا۔ آج کا کالا کوٹ بے طرح گرد آلود ہو چکا ہے۔ جرائم پال اور مجرم پال سکیم کے رسیاؤں نے اسے بے دریغ استعمال کیا ہے۔ ہولناک معاشرتی جرائم کے اثرات نے اس کی رنگت اڑا دی ہے۔

اب اسے ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

اتنی ڈھیر ساری کہاوتیں سن کر بھی اس کالے کوٹ سے میری عقیدت میں فرق نہیں آیا۔ رہوارِ فکر اور اشہبِ خیال اس ڈگر پر چل نکلا کہ انگریزوں نے گھوڑے پال اور کتا پال سکیم کے تحت غداران ملت و وطن کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کی تھیں۔ ہمارے ہاں حالات کا پلٹا یہ ہے کہ مجرم پال سکیم شروع کر دی گئی۔ قانون اور سیاست کی آڑ میں گناہگاروں کو تحفظات دیئے گئے جبکہ بے گناہوں کو انصاف کے نام پر بے بس کر دیا گیا۔ مگر ٹھہریئے۔ سوچیئے اور سر دھنیے کہ ایک کالے کوٹ والے نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کو وجود بخشا۔ دوسرے کالے کوٹ والے نے وطن عزیز کو دولخت کر دیا۔ تیسرے کالے کوٹ والے نے کہ جس کے نام کے ساتھ اب سابق کا لفظ آتا ہے ایک منتخب عوامی حکومت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔ ان کجرو حالات اور ستم ظریف واقعات کے پس منظر میں یہ ایک خوبصورت پیش منظر ہے کہ نظامی صاحب کالا کوٹ پہنتے پہنتے رہ گئے۔ ورنہ یہ لوگ تو کتمان حق، غصب اور استحصال کے پیکر ہیں۔ یہ مجرم اور ملزم پالتے پوستے جوان کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے لوگوں کے حقوق پر ڈاکے ڈلوانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

آپ جونہی انہیں روکیں، ٹوکیں۔ ہوڑیں، ہٹکیں، ان کا استحقاق فی الفور مجروح ہو جاتا ہے۔ کچھ ایسا ہی احوال بد، ہمارے منتخب نمائندگان کا بھی تھا۔ لیکن ان کا کیا دوش انہیں بھی کسی نہ کسی کالے کوٹ کی پشت پناہی حاصل رہی ہے۔ اسی لئے وہ ایوانِ اقتدار میں داخل ہوتے ہی احتساب'' کا راگ الاپنا شروع کر

سید یونس الحسنی

کالا کوٹ

گذشتہ دنوں لاہور ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک سیمینار ہوا۔ ''احتساب'' موضوع سخن تھا۔ ڈاکٹر خالد رانجھا صدر نشین اور سابق چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ مہمان خصوصی تھے۔ سابق جسٹس کے ایم صمدانی، جنرل (ر) حمید گل، ایس ایم ظفر، پروفیسر حسن عسکری اور روزنامہ نوائے وقت کے مدیر اعلیٰ مجید نظامی مقررین میں شامل تھے۔ سبھوں نے بہت پتے کی باتیں کیں۔ شہ دماغوں نے اپنی شہ دماغی کا بھرپور مظاہرہ کیا، چوراہوں میں عدالتیں لگانے کا ذکر آیا۔ کرپشن کا رونا رویا گیا۔ خود کشیوں کے سلسلے کی کتھا کھولی گئی۔ قانون کے غلط استعمال کا قصہ چھیڑا گیا۔ موجودہ عدالتی نظام کو ناکام قرار دیا گیا۔ آئین کو ازسرِ نو مرتب کرنے کی نصیحت کی گئی۔ تعلیمی اخراجات میں روز افزوں اضافے پر احتجاج ہوا۔ گویا ایک ''سب رنگ'' شو تھا جس میں سب نے باری باری اپنا حصہ ڈالا اور چلتے بنے۔

سیمینار میں بہت سی گفتنی ناگفتنی باتیں ہوئیں جناب مجید نظامی نے کہا'' آج تک کسی کا احتساب نہیں ہوا یہی سارا المیہ ہے کہ ہم سب دوسروں کے احتساب کے لیے تیار ہیں مگر اپنے احتساب کے لیے تیار نہیں ہیں۔ میں سب سے پہلے خود کو احتساب کے لیے پیش کرتا ہوں۔ اس ملک کے عوام کے ساتھ آج تک انصاف نہیں ہوا۔ وکلا حضرات میرے ماضی کو جانتے ہیں۔ میرا ماضی اور حال آپ کے سامنے ہے۔ ازراہِ کرم میرا احتساب کریں۔ میں بطور اخبار نویس روزانہ لکھتا اور لکھواتا ہوں اور اپنا احتساب خود کرتا ہوں۔ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر محتسب کا فریضہ انجام دیتا ہوں۔ اگر کوئی شخص دوسروں کی چھان پھٹک کر رہا ہے تو لازمی ہے اس کا ماضی بھی دیکھا جائے۔ وکلا بہتر جانتے ہیں کہ احتساب کیسے کیا جائے۔ میں خود کالا کوٹ پہنتے پہنتے رہ گیا ورنہ آج آپ کے ساتھ بیٹھا ہوتا'' یہ سب کچھ ہر شخص کے دل کی آواز، ہماری قومی ضرورت اور ہمارے جذبات و احساسات کی عکاسی ہے۔ ماضی گواہ ہے اور یہ گواہی محکم ہے کہ جو حکمران قومی امور کی انجام دہی کے لیے ''مانگے تانگے'' کی روشنی میں پیش قدمی کے رسیا ہوں وہ اپنے عوام کی ضرورتوں سے اغماض برتتے ہیں۔ وہ اندرونی اطمینان کی بجائے بیرونی قدر افزائی کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں۔ پھر قومی عدم اطمینان انہیں زوال آشنا کر دیتا ہے۔ ماضی قریب میں یہی ہوا ہے۔ اب تمام حالات و واقعات کھلے راز کی صورت ہیں۔ موجودہ حکمران اصلاً فوجی مگر سیاست میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے احتساب کا نعرہ لگایا ہے۔ بریگیڈئر راشد قریشی کے بقول جامع طریقہ کار وضع کیا جا رہا ہے تاکہ احتساب کے عمل کو نتیجہ خیز بنایا جا سکے۔ جناب چیف ایگزیکٹو نے بھی خود کو رضاکارانہ طور پر احتساب کے لیے پیش کیا ہے۔ اپنے بیان کردہ ایجنڈے پر خلوص نیت سے عمل پیرا ہونے کی پراثر دعا بھی کی ہے۔ یہ خوش آئند ہے مگر سوال یہ ہے

دیتے ہیں پھر وقت کے کلاسیکل راگ اور راگنیاں انہیں سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔ یہ حضرات ہر معاملے میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس لئے خود احتسابی سے گریزپا ہیں۔ خود کو احتساب کے لئے پیش کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ ایٹمی پاکستان کی نئی حکومت نے بھی احتساب کا نعرہ لگایا ہے۔ یہ قومی مفادات و لوازمات کی تکمیل کا عزمِ صمیم رکھتی اور عوامی جذبات و احساسات کی پذیرائی کا اہتمام کرنا چاہتی ہے۔ اندرونی و بیرونی سازشوں کو ناکام کر کے صرف پاکستانیت کی سوچ اور فکر پیدا کرنا چاہتی ہے۔ قوم کو شکوک و شبہات کی دلدل سے نکال کر اس کے حسنِ ظن کو تقویت دے کر یقین میں بدلنا چاہتی ہے۔ یہ باتیں تاریخ کا حصہ ہیں۔ محب وطن لوگ اپنی آراء اور مشاورت سے حکومت کو نوازتے رہیں۔ حب وطن کا تقاضا پورا کرتے رہیں۔ صحافی لکھتے لکھاتے رہیں۔ خود احتسابی بھی کریں اور دوسروں پر بھی عمیق نگاہ رکھیں تو انشاء اللہ العزیز پاک وطن کا مقدر لکیروں کی گھمبیرتا سے نکل آئیگا۔ آلائشوں سے مبرا ہو گا اذیتوں کی بجائے راحتوں کا مرکز ہو گا۔ مفروضوں کی بجائے حقائق کا منبع ہو گا۔ یقین جانئے مشاورت و معاونت اور حب وطن کے لیے کسی کالے چٹے، سرخ و سبز کوٹ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمارے ہاں کسی گندم نما جو فروش کی گنجائش نہیں ہونا چاہیے۔ بم دھماکوں میں ملوث مجرموں کی ضمانتیں کرانے والوں کو نہیں پنپنا چاہیے۔ کسی ننگ آدم، ننگ دیں، ننگ وطن کو قانونی تحفظ دینے دلانے ولوں کو یہاں شہہ مات ہونا چاہیے۔ یہ فریضہ کوئی فرزند وطن ہی انجام دے سکتا ہے۔ ایسے کڑے احتساب کی جرأت وہی کر سکتا ہے جس کا دامانِ قلب و ذہن تخریبی و ابلیسی آلائشوں سے پاک ہو۔ جو اقتدار و احزاب سے الگ تھلگ رہ کر سچ لکھے، سچ لکھوائے۔ عصمت قلم کا محافظ اور ناموس وطن کا نگہدار ہو۔ مصلحت کوشی سے کوسوں دور ہو۔ کوئی سالالچ یا خوف اس کی راہ روکنے نہ پائے۔ حرص و آز کی کوئی کارروائی اسے مشن سے ہٹا نہ سکے۔ وہ فروختنی نہ ہو۔ تلبیس حق و باطل کا گناہگار نہ ہو۔ اپنی ذات کا سب سے پہلے محتسب ہو اور دوسروں کو صراط مستقیم دکھائے۔ راقم کی سوچی سمجھی رائے ہے "کسی کوٹ" میں ملبوس شخص یہ فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ یہ عظیم کارنامہ انہیں لوگوں کا نصیب ہوتا ہے۔ جن کا ضمیر ان کا محتسب ہوتا ہے۔ وہ قابل صد تحسین و آفریں اور لائق ہزار مبارکباد ہوتے ہیں۔ ایسے ہی افراد اقوام و ملل کا اثاثہ اور سرمایہ افتخار ہوتے ہیں۔ تاریخ انہیں طمانچے مار کر گذرنے کی بجائے ان کی تعظیم کرتی ہے۔

نظامی صاحب نے بات تو درست کہی ہے مگر اس ہجوم بے بصراں میں کتنے ہیں جو ضمیر کے اسیر ہیں؟ صحافی، معلم، سیاست دان، وکلاء دانشور اور ادیب، اس حمام میں تو سبھی ننگے ہیں۔ مذکورہ طبقات معاشرے کی تربیت و اصلاح میں اہم کردار اداء کر سکتے ہیں۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ انہی شعبوں میں سب سے زیادہ کرپشن ہوئی ہے اور ان میں بیٹھی ہوئی کالی بھیڑیں پورے معاشرے کو تباہ و برباد کر رہی ہیں۔

موجودہ عسکری قیادت سے قوم کو بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ عساکر، قوم کی معصوم امیدوں پر پورا اتر سکیں۔ ورنہ اس تجربے کے بعد اندھیرا ہے۔ روشنی کی کوئی کرن دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ اے کاش! موجودہ حکمران عادلانہ احتساب کا عمل خلوص و دیانت کے ساتھ مکمل کر سکیں۔